رزق

رات کے پچھلے پہر میری آنکھ سر درد سے ایک دم کھل گئی۔ سونے سے پہلے کچھ بھی تو نہ تھا پھر ایسا سر درد کیوں کہ جیسے ذہن کی دنیا میں زلزلہ سا آ گیا ہو۔ درد بڑھا تو گھر والوں نے ایمبولنس بلوالی۔ وہ مجھے سٹریچر پر ڈال فٹافٹ ہسپتال جا پہنچے۔

ہسپتال رات کے لمحات میں خود بھی بیمار سا لگتا ہے۔ پیلی مدھم روشنی، تھکے ماندے تیماردار، رتجگوں کا مارا ہسپتال کا عملہ اور ہر صدا کے ساتھ درد وغم کی نئی داستان لکھتا ایمبولنس کا سائرن۔ ان ڈاکٹروں، نرسوں اور وارڈوں کے عملے کی قدر تب ہی معلوم ہوتی ہے جب آپ کی کسی بیماری سے مڈبھیڑ ہو جائے ورنہ تو ہم شکائتیں کرتے نہیں تھکتے۔ وقت پڑ جانے پر ہم سب کچھ بھلا کر خود کو ان کے حوالے کر دیتے ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ وہ کوئی نہ کوئی حل نکال ہی لیں گے۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کوئی صحتمند انسان ہسپتال نہیں جاتا۔ اور اس کے ساتھ جانے والے لوگ مریض سے زیادہ اعصابی تناؤ کا شکار ہوتے ہیں۔ امراض اور بے چینی کی اس آمیزش کو طبی عملہ صبح شام جھیلتا ہے اور پھر بھی اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ لیکن انہیں فرشتہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ

بھی عام انسان ہیں جن کے جذبات واحساسات کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے۔ انہیں بھی غصہ آتا ہے اور وہ بھی ناکامی میں غمگین اور کامیابی میں سرشار ہوتے ہیں۔ ان کے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ انہیں پتھر دل ہونا پڑتا ہے ورنہ تو وہ یہ کام کر ہی نہ سکیں۔

خیر کچھ ضروری ٹیسٹ کرنے کے بعد انہوں نے مجھے وارڈ بھیج دیا۔ سر کا درد اب بہت کم ہو گیا تھا اور مجھے نیند آنے لگی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھے دوائی دے کر گھر جانے کی اجازت دیتے لیکن انہوں نے مجھے صبح تک رک جانے کا کہا اور ایک اور وارڈ میں منتقل کر دیا۔ فجر کی آذان سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ وارڈ میں تین ہی لوگ تھے۔ میرے دائیں جانب کوئی تھا مگر پردوں کے پیچھے مکمل سناٹا تھا۔ میرے بستر کے بالکل سامنے والے بستر پر ایک ادھیڑ عمر شخص ہولے ہولے سے کراہ رہا تھا۔ شاید اسے بہت درد ہوگا۔ اس کی بے چینی اس کے درد کی ترجمان تھی۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن وقفے وقفے سے وہ بہت زور سے کراہتا اور اونچی آواز سے آہ وزاری کرتا تو میرے دائیں جانب جنبش ہوتی اور مجھے اپنا درد لوٹتا محسوس ہوتا۔ میں نے نرس سے کہا بھی کہ مجھے گھر جانے دیا جائے لیکن اس نے منع کر دیا۔

نجانے کتنی رنگ برنگی تاریں اور ٹیوبیں اس کے جسم میں سوئیوں کے ذریعے پیوستہ تھیں۔ کوئی مشین دل کی دھڑکن کا پتا دیتی تھی تو کوئی تنفس میں آکسیجن کی مقدار کا تعین کرتی۔ کہیں درجہ حرارت لکھا تھا تو کہیں بلڈ پریشر کا ہندسہ لمحہ بہ لمحہ بدلتا تھا۔ یہ سب مشینیں کچھ نہ کچھ بتا رہی تھیں لیکن اس کے درد کا درماں کرنے سے قاصر تھیں۔

تین پلاسٹک کی تھیلیوں سے بے رنگ محلول کی روانی اس کی رگوں میں دوائیوں کا سیلاب بپا کیئے ہوئے تھی لیکن درد تھا کہ تھمتا نہ تھا۔اس نے کراہتے ہوئے نرس کو آواز دی جو فوراً آ گئی۔اس نے اُس سے اپنی بیوی کو بلانے کے لیے کہا تو وہ یہ کہہ کر چلی گئی کہ اس کی بیوی صبح آئے گی۔ درد کا یہ مشاعرہ کچھ دیر یونہی چلتا رہا۔ نیند اَب میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔اس لاچار کا دکھ دیکھ کر مجھے اپنا درد بھول گیا تھا۔

پُو پھٹی تو وہ بھی خاموش ہو گیا۔ میں نے جھٹ سے اٹھ کر دیکھا کہ کہیں مر تو نہیں گیا۔لیکن وہ آنکھیں کھولے خاموشی سے لیٹا تھا۔میں نے دل میں سوچا کہ چلو دوائیوں کا آخر اثر ہو ہی گیا۔ وارڈ راؤنڈ کے شروع ہونے میں ابھی تین گھنٹے باقی تھے لیکن وارڈ میں چہل قدمی بڑھ گئی تھی۔ دوائیاں دی جا رہی تھیں۔ مریضوں کی فائیلوں میں کچھ لکھا جا رہا تھا۔صفائی ہو رہی تھی اور دن کی شفٹ کا عملہ بھی پہنچنا شروع ہو گیا تھا۔اس چہل پہل میں وہ شخص کروٹ بدلے بس خلا میں گھورے جا رہا تھا۔اس کے درد کو یا تو دوائیوں نے زیر کر لیا تھا یا اس کی روح نے درد سے دوستی کر لی تھی۔ نرسیں آئیں، پردے کے پیچھے اسے صاف ستھرا کیا، کپڑے بدلے اور چلی گئیں۔ جب گھر والے گھر کی بیماری اور اس کے تعفن کو اس ہسپتال نامی جگہ پر پھینک کر چلے جاتے ہیں تو یہی بدتمیز لوگ انسانی جسم کی غلاظتوں کو صاف کر کے انسان کو انسان بنا کر رکھتے ہیں۔انسان ہیں، خطاوار ہیں، کچھ برے بھی ہوں گے لیکن اللہ نے ان کے ہاتھ میں شفا رکھی ہے۔اس نعمت کی قدر نہ کرنا کفرانِ نعمت ہوگا۔

ناشتہ دیا جانے لگا۔ایک نرس آئی اور ہمارے سامنے بھی ایک ایک ٹرے رکھ کر چلی گئی، ایک فرائی انڈا، ڈبل روٹی، پانی، کیک کا ٹکڑا اور ایک سیب، اچھا اور سادہ ناشتہ تھا۔ وہ شخص اَب بستر ے کے ساتھ ٹیک لگا کر سیدھا بیٹھا تھا اور مجھے گھور رہا تھا۔ ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے دھری تھی۔ مجھے اس کے گھورنے سے کوفت ہونے لگی تو میں نے بھی اسے گھورنا شروع کر دیا۔تب مجھے معلوم ہوا کہ اس کا منہ میری طرف ضرور تھا لیکن وہ خود کہیں اور تھا۔اس نے ایک بار پھر نرس کو آواز دی جو تھوڑی ہی دیر میں آ گئی۔اس نے نرس سے اپنی بیوی کے متعلق استفسار کیا تو وہ بولی کہ وارڈ راؤنڈ کے بعد آئے گی۔ پھر وہ بولا کہ اسے فرائی انڈا پسند نہیں بلکہ آملیٹ پسند ہے۔ وہ مسکرائی اور ٹرے اٹھا کر لے گئی۔

رزق کا نام آتے ہی دولت کا خیال آتا ہے لیکن حقیقت میں ہر چیز کا رزق ہوتا ہے، نیند کا، خوشی اور غم کا، کامیابی اور ناکامی کا۔ یہاں تک کہ کھانے اور بولنے تک کا رزق ہوتا ہے۔ بہت بولنے والے زندگی کے کسی موڑ پر خاموش ہو جاتے ہیں۔ بلاوجہ ہنسنے والے ہنسنا چھوڑ دیتے ہیں، جوانی کی نیندیں بڑھاپے کے رتجگوں میں بدل جاتی ہیں، بہت زیادہ کامیابی کے ساتھ بے چینی، اضطراب اور کچھ کھو جانے کا خوف ورثے میں ملتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ رزاق اللہ کی ذات ہے اور رزق اس کی عطا ہے۔اس نے ہر ذی روح کا رزق مختص کر دیا ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں جو آپ کا ہے وہ آپ کو ہی ملے گا اور جو آپ کا نہیں وہ نہیں ملے گا۔کوشش اور جستجو ہمارا فرض ہے، دینا یا نہ دینا اس کی رضا۔ کچھ لوگ اسے قسمت کہتے ہیں، کچھ حالات کو ذمہ دار

ٹھہراتے ہیں۔کوئی پرورش کو دوش دیتا ہے تو کسی کو محنت میں خلل نظر آتا ہے۔بات یہ ہے کہ ہر کسی کے حصے کا رزق ہے جو لامتناہی نہیں ہے۔اسے ایک دن ختم ہو جانا ہے۔یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ اپنے حصے کا رزق کب، کیسے اور کہاں خرچنا ہے۔کم ہو گیا یا ختم ہو گیا تو مشکل ہو جائے گی۔

اس ادھیڑ عمر شخص نے پھر میری طرف منہ کر کے خلا میں گھورنا شروع کر دیا۔ اَب کچھ نئی بوتلوں سے دوائیوں کا سیلاب بپا تھا لیکن بے چین مشینیں خاموش تھیں۔ ان کے پاس واویلا کرنے کو کوئی بری خبر نہ تھی۔نرس دوسرا ٹرے لے کر آئی۔اس میں تازہ آملیٹ رکھا تھا،، جس میں سے بھاپ ابھی تک اٹھ رہی تھی۔اس شخص نے شکریے کے ساتھ ٹرے پکڑ لی۔ پہلے انڈے پر تھوڑا سا نمک ڈالا پھر کچھ کالی مرچ۔ ڈبل روٹی کا ٹکڑا توڑا اور پھر واپس رکھ دیا۔اس کی آنکھوں میں سکون تھا اور چہرے پر اپنے پسندیدہ کھانے کی خواہش۔اس نے چمچ سے آملیٹ کا ایک بڑا سا حصہ توڑا اور جلدی سے اپنے منہ کی طرف لے چلا۔چمچ نے اپنے حصے کا بوجھ اس کے تھرکتے ہونٹوں میں منتقل کر دیا۔عین اسی لمحے اس سے جڑی مشینیں چیخیں اور پھر خاموش ہو گئیں۔چمچ والا ہاتھ بے جان ہو کر گر گیا۔ مجھے گھورتی آنکھیں ویران ہو گئیں اور وہ انڈے کا ٹکڑا اس کے ہونٹوں میں ہی جھول گیا۔شاید یہ اس کے حصے کا رزق نہ تھا۔